Acta Social Science & Humanities
An International Journal

OPEN ACCESS

ISSN 3117-860X
Original Research Article

Check for updates

Progressive Elements in the Poetry of Sahir Ludhianvi

ساحر لدھیانوی کی شاعری میں ترقی پسندی کے عناصر

Shafiq Ahmed Katoch

Department of Urdu, Government Degree College, Banihal, Ramban District, Jammu & Kashmir – 182146 India

Corresponding author: **Shafiq Ahmed Katoch** | E-mail: **drshafiqkatoch01@gmail.com**

Citation: Shafiq Ahmed Katoch (2025). Progressive Elements in the Poetry of Sahir Ludhianvi.
Acta Social Science & Humanities: An International Journal. **DOI: https://doi.org/10.51470/SSH.2025.4.1.10**

Received 12 January 2025 | Revised 09 February 2025 | Accepted 13 March 2025 | Available Online 16 April 2025

Abstract

Sahir Ludhianvi is one of the foremost poets of modern Urdu literature, celebrated for his progressive vision and deep concern for social justice. This study examines the progressive elements in his poetry, focusing on themes such as equality, humanism, anti-exploitation, peace, women's rights, and resistance to social and economic injustice. Using a qualitative textual analysis, the paper explores how Sahir employed simple yet powerful language to criticize social inequalities and advocate for a more just and compassionate society. The study concludes that his poetry remains an enduring voice of the Progressive Writers' Movement and continues to inspire readers with its relevance and humanitarian ideals.

Keywords: *Sahir Ludhianvi; Urdu Poetry; Progressive Literature; Social Justice; Humanism.*

اردو ادب کی ترقی پسند تحریک نے برصغیر کی ادبی روایت کو ایک نئی فکری سمت عطا کی۔ اس تحریک نے ادب کو محض حسن و عشق کی داستانوں تک محدود رکھنے کے بجائے اسے انسانی زندگی، سماجی ناانصافی، معاشی استحصال، طبقاتی کشمکش اور سیاسی شعور کا ترجمان بنایا۔ اسی تحریک کے زیرِ اثر جن شاعروں نے اپنے منفرد اسلوب، گہرے شعور اور انقلابی فکر سے اردو شاعری کو نئی جہت عطا کی، ان میں **ساحر لدھیانوی** کا نام نہایت نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔

ساحر لدھیانوی کی شاعری انسان دوستی، سماجی انصاف، طبقاتی شعور، سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف احتجاج، عورت کی آزادی، امن پسندی اور انسانی مساوات جیسے ترقی پسند نظریات کی بھرپور ترجمانی کرتی ہے۔ انہوں نے زندگی کے تلخ حقائق کو نہایت سادہ مگر پُراثر زبان میں پیش کیا۔ ان کی شاعری میں محض جذباتیت نہیں بلکہ شعوری بغاوت اور فکری مزاحمت کا ایک ایسا رنگ ملتا ہے جو قاری کو سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔

ساحر کا اصل کمال یہ ہے کہ وہ رومان کو بھی سماجی شعور کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک محبت صرف دو افراد کے درمیان جذبے کا نام نہیں بلکہ ایک ایسا انسانی رشتہ ہے جو ظلم، استحصال اور نفرت کے خلاف آواز بلند کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں عشق، انقلاب اور انسانیت ایک دوسرے سے جدا نظر نہیں آتے۔

ترقی پسند تحریک کا بنیادی مقصد انسان کو ہر قسم کے ظلم، جبر اور استحصال سے نجات دلانا تھا۔ ساحر نے اسی مقصد کو اپنی شاعری کا مرکز بنایا۔ ان کی نظموں میں مزدور، کسان، غریب، مجبور عورت، جنگ کے متاثرین اور محروم طبقات کی زندگی نہایت مؤثر انداز میں سامنے آتی ہے۔ وہ شاعری کو سماجی تبدیلی کا ذریعہ سمجھتے تھے، اسی لیے ان کے اشعار میں احتجاج، بغاوت اور امید تینوں عناصر بیک وقت موجود ہیں۔

ساحر کی شاعری کا ایک اہم وصف یہ بھی ہے کہ وہ تلخ ترین حقیقت کو بھی نہایت نرم لہجے میں بیان کرتے ہیں۔ ان کا اسلوب خطیبانہ ہونے کے باوجود شاعرانہ حسن سے بھرپور ہے۔ وہ قاری کے جذبات کو محض ابھارتے نہیں بلکہ اس کے شعور کو بھی بیدار کرتے ہیں۔ یہی خصوصیت انہیں ترقی پسند شاعروں میں ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔

:ان کے اس انقلابی شعور کی جھلک درج ذیل اشعار میں نمایاں طور پر دیکھی جا سکتی ہے

بھوک تیرے قتل سے ڈر جائے گی، کیا سوچا تھا؟
تیرے بیٹے بھی ترے نقشِ قدم پر نکلے۔

یہ شعر اس حقیقت کی علامت ہے کہ ظلم کے ذریعے نظریات کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ معاشرتی شعور ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتا رہتا ہے۔

:میں وہ روایتی حسن کے تصور کو چیلنج کرتے ہوئے کہتے ہیں **"تاج محل"** اسی طرح سرمایہ دارانہ استحصال کے خلاف ان کی معروف نظم

اک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر
ہم غریبوں کی محبت کا اُڑایا ہے مذاق۔

یہ شعر ترقی پسند ادب کی بنیادی فکر کا آئینہ دار ہے۔ ساحر کے نزدیک محبت کی اصل عظمت محلات اور سنگِ مرمر میں نہیں بلکہ عام انسان کی زندگی اور اس کے جذبات میں پوشیدہ ہے۔

© **Authors:** *Published in* ***Acta Social Science and Humanities: An International Journal*** *under the CC BY-NC-ND 4.0 license (http://creativecommons.org/licenses/by-nc-nd/4.0/). No commercial use or modifications permitted.*

ساحر لدھیانوی کی شاعری اس اعتبار سے منفرد ہے کہ وہ ادب کو معاشرے سے الگ نہیں دیکھتے۔ ان کے نزدیک شاعر کا فرض صرف حسن کی تعریف کرنا نہیں بلکہ انسانی دکھوں کی ترجمانی کرنا بھی ہے۔ اسی لیے ان کی نظموں میں سماجی ناہمواری، طبقاتی تقسیم، مذہبی منافقت، جنگ کی تباہ کاری، عورت کی بے بسی اور سرمایہ دارانہ استحصال کے خلاف شدید احتجاج ملتا ہے۔

یوں کہا جاسکتا ہے کہ ساحر لدھیانوی کی شاعری ترقی پسند تحریک کے مقاصد کی نہ صرف عکاس ہے بلکہ اس کی عملی تفسیر بھی ہے۔ ان کے کلام میں انسانی وقار، مساوات، آزادی اور انصاف کی جو صدا سنائی دیتی ہے، وہ آج بھی اسی طرح تازہ اور مؤثر محسوس ہوتی ہے جیسے ان کے عہد میں تھی۔

ساحر لدھیانوی کی شاعری میں سماجی انصاف، طبقاتی شعور اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف احتجاج

ترقی پسند تحریک کا بنیادی تصور یہ تھا کہ ادب معاشرے کے محروم اور مظلوم طبقات کی آواز بنے۔ اس تحریک کے شعرا نے شاعری کو محض جمالیاتی اظہار تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے ظلم، جبر اور استحصالی نظام کے خلاف فکری مزاحمت کا ذریعہ بنایا۔ ساحر لدھیانوی اس نظریے کے نہایت توانا نمائندہ ہیں۔ ان کی شاعری میں انسان کی معاشی، سماجی اور سیاسی محرومی صرف ایک موضوع نہیں بلکہ ایک زندہ تجربہ بن کر سامنے آتی ہے۔

ساحر نے ایسے معاشرے کی تصویر پیش کی ہے جہاں دولت چند ہاتھوں میں سمٹ جاتی ہے اور محنت کرنے والا انسان بنیادی ضروریات سے بھی محروم رہتا ہے۔ وہ اس طبقاتی تفاوت کو انسانی اقدار کے لیے سب سے بڑا خطرہ تصور کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک جب معاشرہ دولت اور طاقت کی بنیاد پر تقسیم ہو جائے تو محبت، انصاف اور اخوت جیسے انسانی رشتے کمزور پڑ جاتے ہیں۔ اسی لیے ان کے کلام میں سرمایہ دارانہ نظام پر شدید تنقید ملتی ہے۔

ان کی شہرۂ آفاق نظم **"تاج محل"** ترقی پسند فکر کی بہترین مثال ہے۔ روایتی شاعری میں تاج محل کو عشق کی علامت سمجھا جاتا تھا، مگر ساحر نے اس تصور کو ایک نئے زاویۂ نگاہ سے دیکھا۔ وہ اسے صرف محبت کی یادگار نہیں بلکہ ایسی سلطنت کی نشانی قرار دیتے ہیں جس کی تعمیر میں بے شمار غریب مزدوروں کی محنت اور محرومی شامل تھی۔ وہ کہتے ہیں:

اک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر

ہم غریبوں کی محبت کا اُڑایا ہے مذاق۔

یہ شعر دراصل اس سماجی حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ حکمران طبقہ اپنی عظمت کی یادگاریں تو تعمیر کر لیتا ہے، مگر عام انسان کی زندگی مسلسل محرومی اور جدوجہد کا شکار رہتی ہے۔ ساحر اس تضاد کو بے نقاب کرتے ہوئے قاری کو اس تاریخ پر دوبارہ غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں جسے اکثر صرف شان و شوکت کے زاویے سے دیکھا جاتا ہے۔

ساحر کی شاعری میں مزدور اور محنت کش طبقہ خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کی تمام آسائشیں انہی محنت کش ہاتھوں کی مرہونِ منت ہیں، لیکن ان کی اپنی زندگی محرومی، بھوک اور بے بسی سے عبارت ہے۔ یہی احساس ان کی شاعری میں بار بار ابھرتا ہے۔ وہ محنت کی عظمت کو سلام پیش کرتے ہوئے استحصالی نظام کے خلاف ایک اخلاقی احتجاج بھی ثبت کرتے ہیں۔

اسی طرح ان کی نظم **"چکلے"** سماج کے اس تاریک پہلو کو سامنے لاتی ہے جسے معاشرہ عموماً نظر انداز کر دیتا ہے۔ ساحر ان عورتوں کو محض کردار کی کمزوری کی علامت نہیں سمجھتے بلکہ ایسے سماجی اور معاشی نظام کا نتیجہ قرار دیتے ہیں جس نے انہیں عزت کی زندگی سے محروم کر دیا۔ وہ لکھتے ہیں:

عورت نے جنم دیا مردوں کو

مردوں نے اسے بازار دیا۔

یہ شعر صرف عورت کے استحصال کی داستان نہیں بلکہ پورے سماجی ڈھانچے پر ایک گہرا سوال ہے۔ ساحر اس تضاد کو آشکار کرتے ہیں کہ جس ہستی نے انسانیت کو جنم دیا، اسی کو مردانہ سماج نے تجارت کی شے بنا دیا۔ یہی ترقی پسند فکر کا بنیادی وصف ہے کہ وہ فرد کے بجائے پورے سماجی نظام کا احتساب کرتی ہے۔

ساحر کے نزدیک غربت محض معاشی مسئلہ نہیں بلکہ انسانی وقار کا بھی مسئلہ ہے۔ بھوک، بے روزگاری اور محرومی انسان کی شخصیت کو مجروح کر دیتی ہیں۔ وہ ایسے معاشرے کے خواہاں ہیں جہاں ہر فرد کو محنت کے مطابق عزت، انصاف اور زندگی کے مساوی مواقع حاصل ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں انقلاب کا تصور خونریزی سے زیادہ سماجی انصاف کے قیام سے وابستہ دکھائی دیتا ہے۔

ان کی نظموں میں بارہا یہ احساس نمایاں ہوتا ہے کہ جب تک دولت کی غیر منصفانہ تقسیم ختم نہیں ہو گی، اس وقت تک حقیقی آزادی ممکن نہیں۔ ان کے نزدیک آزادی صرف سیاسی نعروں کا نام نہیں بلکہ انسان کی معاشی اور سماجی آزادی بھی اسی قدر ضروری ہے۔ یہی فکر ترقی پسند تحریک کے بنیادی نظریات سے مکمل ہم آہنگ ہے۔

تنقیدی اعتبار سے دیکھا جائے تو ساحر کا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے طبقاتی شعور کو محض نظریاتی بحث نہیں بنایا بلکہ اسے انسانی جذبات، علامتوں اور پیکروں کے ذریعے فنی حسن کے ساتھ پیش کیا۔ ان کی شاعری میں احتجاج تلخی کے باوجود شائستگی سے آراستہ ہے، اور یہی خصوصیت ان کے کلام کو محض سیاسی نعرہ بننے سے بچا کر اعلیٰ ادب کے درجے پر فائز کرتی ہے۔

ساحر لدھیانوی کی شاعری میں جنگ مخالف فکر، امن پسندی اور انسان دوستی

ترقی پسند تحریک کے نمایاں مقاصد میں سے ایک مقصد انسان کو جنگ، استعمار، نفرت اور استحصالی قوتوں سے نجات دلانا تھا۔ بیسویں صدی کی دو عظیم عالمی جنگوں نے لاکھوں انسانوں کو موت، بے گھری اور تباہی سے دوچار کیا۔ ان حالات میں ترقی پسند شعرا نے جنگ کی ہولناکی کو محسوس کرتے ہوئے امن، محبت اور انسانی بقا کا پیغام عام کیا۔ ساحر لدھیانوی اس حوالے سے اردو شاعری کے ان چند بڑے شاعروں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے جنگ کو محض سیاسی تصادم نہیں بلکہ انسانیت کی شکست قرار دیا۔

ساحر کی شاعری میں جنگ کے خلاف احتجاج کسی مخصوص ملک یا قوم تک محدود نہیں بلکہ پوری انسانیت کے دکھ کا اظہار ہے۔ان کے نزدیک جنگ میں فاتح اور مفتوح دونوں نقصان اٹھاتے ہیں، کیونکہ آخر کار خون انسان ہی کا بہتا ہے، بستیاں انسانوں ہی کی اجڑتی ہیں اور ماؤں کی گودیں ہی ویران ہوتی ہیں۔یہی آفاقی انسانی شعور ان کی ترقی پسند فکر کو وسعت عطا کرتا ہے۔

اور دیگر نظموں میں جنگ کے نتائج نہایت مؤثر انداز میں بیان ہوئے ہیں۔ وہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اقتدار کے کھیل کھیلنے والے چند افراد کی خواہشات کی قیمت عام **"پرچھائیاں"** ان کی مشہور نظم انسان اپنی جان دے کر ادا کرتا ہے۔ان کے نزدیک ایسی فتح بے معنی ہے جس کے راستے میں انسانیت کا قتلِ عام ہو۔

:جنگی جنون اور طاقت کی سیاست پر طنز کرتے ہوئے ساحر کہتے ہیں

خون اپنا ہو یا پرایا ہو

نسلِ آدم کا خون ہے آخر۔

یہ شعر ساحر کی انسان دوستی کا نچوڑ ہے۔ شاعر کے نزدیک خون کی کوئی قومی، مذہبی یا نسلی تقسیم نہیں ہوتی۔ ہر انسان کا خون یکساں حرمت رکھتا ہے، اس لیے ہر جنگ دراصل پوری انسانیت کے خلاف جرم ہے۔یہی تصور ترقی پسند ادب کی عالمگیر انسانی اقدار کی بہترین نمائندگی کرتا ہے۔

:اسی نظم میں وہ مزید کہتے ہیں

جنگ مشرق میں ہو کہ مغرب میں

امنِ عالم کا خون ہے آخر۔

یہ شعر اپنے اندر گہرا سیاسی اور اخلاقی شعور رکھتا ہے۔ ساحر اس حقیقت کو اجاگر کرتے ہیں کہ دنیا کے کسی بھی خطے میں ہونے والی جنگ صرف ایک ملک یا قوم کا مسئلہ نہیں رہتی بلکہ اس کے اثرات پوری انسانی تہذیب کو متاثر کرتے ہیں۔اس طرح شاعر قومی سرحدوں سے بلند ہو کر عالمی اخوت کا تصور پیش کرتا ہے۔

ساحر لدھیانوی کی ترقی پسندی کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ وہ مذہبی، نسلی اور قومی تعصبات سے بالاتر ہو کر انسان کو سب سے بڑی قدر قرار دیتے ہیں۔ان کے نزدیک اگر کوئی نظریہ انسان کی جان، عزت اور آزادی کا احترام نہیں کرتا تو وہ قابلِ قبول نہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں بار بار "انسان" مرکزِ گفتگو بنتا ہے، نہ کہ کوئی مخصوص طبقہ یا قوم۔

میں امید اور یقین کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اگرچہ اس نظم میں موجود خواب ابھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوئے تھے، لیکن شاعر کو یقین تھا کہ ظلم، **"وہ صبح کبھی تو آئے گی"** انسان دوستی کا یہی جذبہ ان کی مشہور نظم استحصال اور نفرت کا نظام ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتا۔ وہ کہتے ہیں:

وہ صبح کبھی تو آئے گی

جب دکھ کے بادل پگھلیں گے

جب سکھ کا ساگر چھلکے گا

جب امبر جھوم کے ناچے گا

وہ صبح کبھی تو آئے گی۔

اس نظم میں "صبح" محض دن کے آغاز کی علامت نہیں بلکہ ایک ایسے معاشرے کا استعارہ ہے جہاں عدل، مساوات اور امن کا بول بالا ہوگا۔ ترقی پسند شاعری میں امید اور انقلاب کا یہی تصور بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

تنقیدی اعتبار سے دیکھا جائے تو ساحر کی جنگ مخالف شاعری جذباتی نعروں سے مختلف ہے۔ وہ جنگ کے سیاسی، معاشی اور انسانی اسباب و نتائج کا نہایت متوازن انداز میں جائزہ لیتے ہیں۔ان کی شاعری میں احتجاج کے ساتھ ساتھ اخلاقی بصیرت بھی موجود ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کا پیغام آج کے دور میں بھی اتنا ہی معنی خیز محسوس ہوتا ہے، جب دنیا کے مختلف خطوں میں جنگ، دہشت گردی، نسلی تعصب اور طاقت کی سیاست انسانی امن کے لیے مسلسل خطرہ بنی ہوئی ہے۔

اس پورے تناظر میں کہا جا سکتا ہے کہ ساحر لدھیانوی نے ترقی پسند نظریات کو صرف طبقاتی جدوجہد تک محدود نہیں رکھا بلکہ انہیں عالمی انسان دوستی، امن پسندی اور اخوتِ انسانی کے وسیع تصور سے ہم آہنگ کیا۔ یہی آفاقی وژن ان کی شاعری کو ہر عہد میں زندہ اور مؤثر بناتا ہے۔

ساحر لدھیانوی کی شاعری میں نسائی شعور، عورت کی آزادی اور مذہبی و سماجی منافقت پر تنقید

ترقی پسند تحریک نے اردو ادب میں عورت کو محض محبوبہ، معشوقہ یا حسن کی علامت کے طور پر پیش کرنے کے بجائے ایک مکمل انسان کے طور پر متعارف کرایا۔اس تحریک سے وابستہ شعرا نے عورت کے سماجی، معاشی اور نفسیاتی مسائل کو اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا۔ ساحر لدھیانوی اس حوالے سے نہایت حساس اور بیدار فکر شاعر ہیں۔ان کے نزدیک عورت کسی مرد کی ملکیت نہیں بلکہ معاشرے کی ایک باوقار اور مساوی فرد ہے، جسے عزت، آزادی اور انصاف کا وہی حق حاصل ہے جو مرد کو حاصل ہے۔

اردو ادب میں نسائی شعور کی ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ **"چکلے"** ساحر نے عورت کے استحصال کو صرف انفرادی ظلم نہیں سمجھا بلکہ اسے پورے سماجی اور معاشی نظام کی خرابی قرار دیا۔ان کی مشہور نظم اس نظم میں شاعر طوائفوں کی زندگی کے ذریعے اس سماج کا احتساب کرتا ہے جس نے عورت کو عزت کی زندگی سے محروم کر دیا۔

:وہ کہتے ہیں

عورت نے جنم دیا مردوں کو

مردوں نے اسے بازار دیا

جب جی چاہا مسلا کچلا

جب جی چاہا دھتکار دیا۔

یہ اشعار عورت کی مظلومیت اور مردانہ سماج کی منافقت پر کاری ضرب ہیں۔ شاعر اس تلخ حقیقت کو بے نقاب کرتا ہے کہ جس عورت نے انسان کو جنم دیا، اسی کو مرد نے تجارت کی شے بنا دیا۔ یہ اشعار ترقی پسند ادب کے بنیادی تصور، یعنی انسانی مساوات اور سماجی انصاف، کی بہترین ترجمانی کرتے ہیں۔

:اسی نظم میں ساحر مزید کہتے ہیں

مردوں کے لیے ہر ظلم روا

عورت کے لیے الزام ہی الزام۔

یہ شعر اس دوہرے سماجی معیار کی طرف اشارہ کرتا ہے جس میں مرد کے گناہ کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے، لیکن عورت کو معمولی لغزش پر بھی سخت سزا اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ساحر اس امتیاز کو انسانی وقار کے خلاف تصور کرتے ہیں۔

ساحر کی شاعری میں نسائی شعور صرف ہمدردی تک محدود نہیں بلکہ عورت کے حقوق کی بھرپور وکالت بھی کرتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ عورت کو تعلیم، آزادی، عزت اور مساوی مواقع حاصل ہوں تاکہ وہ اپنی شخصیت کو مکمل طور پر پروان چڑھا سکے۔ یہی فکر ترقی پسند تحریک کے انسانی مساوات کے تصور سے مکمل مطابقت رکھتی ہے۔

مذہبی منافقت پر تنقید

ترقی پسند ادب کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے مذہب کے نام پر ہونے والے استحصال، منافقت اور طبقاتی مفادات کو بے نقاب کیا۔ ساحر لدھیانوی مذہب کے مخالف نہیں تھے، بلکہ وہ ان افراد پر تنقید کرتے تھے جو مذہب کو ذاتی مفاد، اقتدار اور استحصال کا ذریعہ بناتے ہیں۔

میں مذہبی ہم آہنگی اور انسان دوستی کا گہرا پیغام موجود ہے۔ شاعر دعا کرتا ہے کہ دنیا میں نفرت کے بجائے محبت، اور جنگ کے بجائے امن قائم ہو۔ **"اللہ تیرا نام"** ان کی مشہور نظم

میں وہ مذہبی تعصب اور فرقہ واریت کے خلاف نہایت واضح انداز میں اظہارِ خیال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اگر مذہب انسان کو انسان سے جدا کر دے تو اس کی اصل روح **"مشرق والوں"** اسی طرح ان کی نظم مجروح ہو جاتی ہے۔

:ساحر کا یہ شعر مذہبی منافقت کے خلاف ان کے فکری احتجاج کی بہترین مثال ہے

ہم نے جن کے لیے راہوں میں بچھایا تھا لہو

ہم سے کہتے ہیں وہی، عہدِ وفا یاد نہیں۔

اگرچہ یہ شعر سیاسی پس منظر رکھتا ہے، لیکن اس میں اقتدار اور مذہبی نعروں کے ذریعے عوام کو دھوکا دینے والوں پر بھی گہرا طنز موجود ہے۔

ساحر کی کئی نظموں میں یہ احساس نمایاں ہے کہ عبادت گاہیں اسی وقت مقدس ہیں جب ان سے انسان دوستی، عدل اور محبت کا پیغام عام ہو۔ اگر مذہب کو نفرت، تعصب یا استحصال کا ذریعہ بنا دیا جائے تو وہ اپنی حقیقی روح کھو دیتا ہے۔ اسی لیے ساحر کی شاعری میں مذہب کے نام پر ہونے والی منافقت اور ریاکاری کے خلاف شدید احتجاج ملتا ہے۔

تنقیدی اعتبار سے دیکھا جائے تو ساحر لدھیانوی کا نسائی شعور اور مذہبی منافقت پر ان کی تنقید ترقی پسند ادب کے بنیادی اصولوں سے ہم آہنگ ہے۔ ان کا مقصد کسی مذہب یا عقیدے کی مخالفت نہیں بلکہ ان سماجی رویّوں کی اصلاح ہے جو مذہب کے نام پر ظلم، امتیاز اور استحصال کو فروغ دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری آج بھی انسانی حقوق، مساوات اور انصاف کی جدوجہد میں فکری رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

ساحر لدھیانوی کی شاعری میں انقلابی شعور، امیدِ مستقبل اور ترقی پسند فکر

ترقی پسند ادب کی ایک بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ صرف معاشرتی برائیوں کی نشاندہی نہیں کرتا بلکہ ایک بہتر اور منصفانہ مستقبل کا خواب بھی پیش کرتا ہے۔ ساحر لدھیانوی کی شاعری میں بھی احتجاج کے ساتھ ساتھ امید، انقلاب اور سماجی تبدیلی کی آرزو نمایاں طور پر موجود ہے۔ ان کے نزدیک شاعر کا فرض صرف ظلم پر آنسو بہانا نہیں بلکہ ایسے سماج کا تصور پیش کرنا بھی ہے جہاں آزادی، مساوات اور انصاف ہر فرد کا بنیادی حق ہو۔

ساحر کے ہاں انقلاب کا مفہوم صرف سیاسی اقتدار کی تبدیلی نہیں بلکہ انسانی شعور کی بیداری ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ معاشرہ طبقاتی تفریق، معاشی استحصال، مذہبی منافرت اور انسانی ناانصافی سے پاک ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں "صبح" ایک علامت بن کر سامنے آتی ہے، جو ایک نئے، روشن اور عادلانہ معاشرے کی نمائندگی کرتی ہے۔

:ہے۔اس نظم میں ساحر مستقبل کے اس معاشرے کا خواب دیکھتے ہیں جہاں انسان ہر قسم کی غلامی اور محرومی سے آزاد ہو گا۔ وہ کہتے ہیں **"وہ صبح کبھی تو آئے گی"** اس تصور کی بہترین مثال ان کی شہرۂ آفاق نظم

وہ صبح کبھی تو آئے گی
جب دکھ کے بادل پگھلیں گے،
جب سکھ کا ساگر چھلکے گا،
جب امبر جھوم کے ناچے گا،
وہ صبح کبھی تو آئے گی۔

یہ اشعار محض رومانوی امید کا اظہار نہیں بلکہ ترقی پسند تحریک کے اس یقین کی ترجمانی کرتے ہیں کہ ظلم اور استحصال کا نظام دائمی نہیں ہوتا۔ شاعر کو یقین ہے کہ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب معاشرہ عدل، مساوات اور انسانی وقار کی بنیاد پر استوار ہو گا۔

:اسی نظم میں وہ سرمایہ دارانہ استحصالی نظام کے خاتمے اور محنت کش طبقے کی آزادی کی خواہش کو نہایت مؤثر انداز میں بیان کرتے ہیں

جب دھرتی کرر ہی ہو گی
بھرپور جوانی کی فصلیں،
جب بھوک نہ ہو گی دنیا میں،
جب دکھ نہ کسی کا ساتھی ہو،
وہ صبح کبھی تو آئے گی۔

ان اشعار میں "بھوک" صرف جسمانی بھوک نہیں بلکہ ہر قسم کی معاشی محرومی کی علامت ہے۔ ساحر ایسے معاشرے کا خواب دیکھتے ہیں جہاں وسائل پر چند افراد کی اجارہ داری ختم ہو اور ہر انسان کو عزت کے ساتھ جینے کا حق حاصل ہو۔

ساحر کی ترقی پسند فکر کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ وہ انسان کی اجتماعی ذمہ داری پر زور دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک تبدیلی کسی ایک فرد کے ذریعے نہیں بلکہ پورے معاشرے کے شعوری ارتقا سے ممکن ہے۔ اسی لیے ان کی شاعری میں امید، جدوجہد اور عمل کا باہمی رشتہ نمایاں دکھائی دیتا ہے۔

تنقیدی اعتبار سے دیکھا جائے تو ساحر لدھیانوی کی انقلابی شاعری میں نعرہ بازی یا جذباتی اشتعال نہیں، بلکہ ایک متوازن فکری بصیرت موجود ہے۔ وہ انقلاب کو تشدد کے بجائے انسانی شعور، انصاف اور مساوات کی فتح سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے خواب کا معاشرہ وہ ہے جہاں مذہب، نسل، زبان اور طبقے کی بنیاد پر کوئی تفریق نہ ہو اور ہر انسان کو برابر کا شہری سمجھا جائے۔

اسی لیے ساحر لدھیانوی کی ترقی پسند شاعری وقتی سیاسی حالات تک محدود نہیں رہتی بلکہ ہر دور کے انسان کے لیے امید، حوصلے اور فکری بیداری کا سرچشمہ بن جاتی ہے۔ ان کا انقلابی شعور آج بھی معاشرتی ناانصافی، طبقاتی استحصال اور انسانی حقوق کی جدوجہد میں اپنی معنویت برقرار رکھے ہوئے ہے۔

ساحر لدھیانوی اردو کے ان معدودے چند شاعروں میں شامل ہیں جنہوں نے ترقی پسند تحریک کے نظریات کو محض سیاسی نعروں یا وقتی جذبات کا اظہار نہیں بنایا، بلکہ انہیں اعلیٰ ادبی شعور اور پائیدار فنی اقدار کے ساتھ ہم آہنگ کیا۔ ان کی شاعری میں ترقی پسندی ایک زندہ فکری رویے کی صورت اختیار کر لیتی ہے، جس کا بنیادی مقصد انسان کو ہر قسم کے ظلم، استحصال، تعصب اور غلامی سے نجات دلانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام اپنے عہد کی ترجمانی کرنے کے ساتھ ساتھ ہر دور کے انسان سے مکالمہ کرتا دکھائی دیتا ہے۔

ساحر نے اپنی شاعری میں طبقاتی تفاوت، سرمایہ دارانہ استحصال، جنگ کی تباہ کاری، عورت کی محرومی، مذہبی منافقت، سیاسی فریب اور انسانی بے بسی جیسے موضوعات کو نہایت فنی مہارت سے پیش کیا۔ ان کے ہاں احتجاج جذباتی شور و غوغا نہیں بلکہ ایک مہذب، باوقار اور مدلل آواز کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ وہ قاری کو مشتعل کرنے کے بجائے اس کے شعور کو بیدار کرتے ہیں اور اسے معاشرے کی حقیقتوں پر غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔

ترقی پسند تحریک کے بہت سے شعرا نے انقلابی خیالات کا اظہار کیا، لیکن بعض اوقات ان کی شاعری محض نعرہ بن کر رہ گئی۔ اس کے برعکس ساحر لدھیانوی نے نظریے اور فن کے درمیان ایسا متوازن رشتہ قائم کیا کہ ان کی شاعری کبھی بھی اپنی ادبی حیثیت سے محروم نہیں ہوئی۔ ان کے اشعار میں موسیقیت، سادگی، فکری گہرائی، علامتی حسن اور مؤثر اسلوب ایک ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ یہی فنی توازن انہیں اپنے ہم عصروں سے ممتاز کرتا ہے۔

ساحر کی شاعری کا سب سے روشن پہلو ان کی انسان دوستی ہے۔ وہ مذہب، نسل، زبان، قومیت اور طبقے سے بالاتر ہو کر انسان کی عظمت کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک اگر کوئی نظام، نظریہ یا روایت انسان کی آزادی، عزت اور انصاف کو پامال کرتی ہے تو اس کے خلاف آواز بلند کرنا شاعر کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔ یہی فکر ان کی نظم **"تاج محل"**، **"چکلے"**، **"وہ صبح کبھی تو آئے گی"** اور **"پرچھائیاں"** سمیت متعدد نظموں میں پوری قوت کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔

عورت کے حوالے سے بھی ساحر کا رویہ اپنے عہد سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ دکھائی دیتا ہے۔ انہوں نے عورت کو محض محبوبہ یا حسن کے استعارے کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ اسے ایک مظلوم مگر باوقار انسان کی حیثیت سے دیکھا، جسے معاشرتی ناانصافیوں کا سامنا ہے۔ اسی طرح مذہب کے نام پر ہونے والی ریاکاری اور استحصال پر ان کی تنقید اس بات کی غماز ہے کہ وہ مذہب کی اصل روح، یعنی عدل، محبت اور انسان دوستی کے قائل تھے، نہ کہ اس کے ظاہری اور مفاد پرستانہ استعمال کے۔

فنی اعتبار سے دیکھا جائے تو ساحر لدھیانوی کی زبان نہایت سادہ، شگفتہ اور عام فہم ہے، لیکن اس سادگی کے اندر فکری گہرائی اور معنوی وسعت پوشیدہ ہے۔ ان کے اشعار میں تصنع، ابہام اور غیر ضروری لفظی آرائش کم نظر آتی ہے، جبکہ تاثیر، روانی اور خلوص نمایاں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام صرف ادبی حلقوں تک محدود نہیں رہا بلکہ عوام میں بھی یکساں مقبول ہوا۔

اگرچہ بعض ناقدین کا خیال ہے کہ ساحر کی بعض نظموں میں نظریاتی وابستگی فنی لطافت پر غالب آجاتی ہے، تاہم مجموعی طور پر ان کی شاعری اس اعتراض سے بلند دکھائی دیتی ہے۔ انہوں نے ترقی پسند فکر کو جمالیاتی حسن کے ساتھ اس طرح ہم آہنگ کیا کہ ان کا کلام نہ صرف اپنے عہد کا ادبی سرمایہ بن گیا بلکہ آج بھی پوری معنویت کے ساتھ پڑھا اور سمجھا جاتا ہے۔

عصرِ حاضر میں جب دنیا ایک مرتبہ پھر جنگ، معاشی عدم مساوات، مذہبی انتہا پسندی، صنفی امتیاز اور انسانی حقوق کے مسائل سے دوچار ہے، ساحر لدھیانوی کی شاعری پہلے سے کہیں زیادہ اہم محسوس ہوتی ہے۔ ان کا پیغام آج بھی انسان کو امن، محبت، انصاف، مساوات اور آزادی کی طرف بلاتا ہے۔ یہی ان کی ترقی پسند شاعری کی اصل کامیابی اور دائمی معنویت ہے۔

اس تمام بحث کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ساحر لدھیانوی نے ترقی پسند تحریک کے افکار کو نہ صرف اپنی شاعری میں پوری فکری دیانت کے ساتھ پیش کیا بلکہ انہیں بلند فنی معیار بھی عطا کیا۔ ان کی شاعری اردو ادب میں انسان دوستی، سماجی انصاف اور فکری بیداری کی ایک روشن مثال ہے، اور جب تک دنیا میں ظلم، جبر اور استحصال موجود رہے گا، ساحر کی آواز اپنی تازگی، صداقت اور اثر آفرینی کے ساتھ زندہ رہے گی۔

کتابیات

- ساحر لدھیانوی، **تلخیاں**، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور۔
- ساحر لدھیانوی، **آؤ کہ کوئی خواب بنیں**، مکتبۂ جامعہ، نئی دہلی۔
- ڈاکٹر عبادت بریلوی، **اردو ادب کی مختصر تاریخ**، تعلیمی بک ہاؤس۔
- ڈاکٹر وزیر آغا، **اردو شاعری کا مزاج**، سنگِ میل پبلی کیشنز۔
- ڈاکٹر محمد حسن، **ترقی پسند ادب**، مکتبۂ جامعہ، نئی دہلی۔
- ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، **اردو ادب اور تنقید**، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس۔
- آل احمد سرور، **تنقیدی مضامین**، ایجوکیشنل بک ہاؤس۔
- متعلقہ جلد)، مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور۔) جمیل جالبی، **تاریخِ ادبِ اردو**